16

رمضان کے مبارک ایام سے فائدہ اٹھاؤ اور خدا تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرو تا اس کی مدد اور نصرت تمہیں حاصل ہو

(فرمودہ 22 مئی 1953ء بمقام ربوہ)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"آج کل رمضان کا مہینہ چل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان ایام میں خصوصیت کے ساتھ دعائیں قبول فرماتا ہے۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ تو ہمیشہ اس بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ ایک کمزور انسان ہر وقت بیرونی امداد کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک طاقت رکھنے والا انسان اپنے مخالف کو نیچے گرانے کی طاقت رکھتا ہے۔ بلکہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اُسے گرا سکتا ہے اور اس وجہ سے وہ کسی مددگار کو نہیں بلاتا۔ لیکن ایک کمزور انسان جب اُس پر کوئی طاقتور ہستی حملہ کرے یا وہ کسی جتھا میں گھِر جائے تو اُس وقت اُس کے لیے سوائے اِس کے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ اگر اُس کا کوئی دوست قریب ہے تو اُسے مدد کے لیے آواز دے۔ اور اگر کوئی دوست قریب نہیں تو بغیر کسی تعیین کے آواز دے کہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کا بندہ اپنے اندر انصاف اور رحم کا مادہ رکھتا ہے تو وہ اُس کی مدد کے لیے آئے۔

انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ اگر راہ چلتے اور راہ گزروں پر کوئی حملہ کرتا ہے تو وہ اونچی آواز سے شور مچایا کرتے ہیں کہ مار دیا، مار دیا۔ اب یہ فقرہ خبر کے طور پر تو ہوتا نہیں کیونکہ وہ کسی معیّن فرد کو آواز نہیں دیتے۔ بلکہ درحقیقت اس فقرہ کے اندر آواز دینے والے کی نازک کیفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جس کسی شخص کے کان میں آواز پڑتی ہے اُس سے یہ اپیل ہوتی ہے کہ وہ پکارنے والے کی مدد کرے اور اُسے مصیبت سے چُھڑالے۔ یہ آواز ایسی طبعی چیز ہے کہ جانوروں تک میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر تم کوّوں کو پتھر مارتے ہو تو وہ کائیں کائیں کا شور مچاتے ہیں۔ آخر کائیں کائیں کرنے کا پتھر مارنے سے کیا جوڑ ہے؟ کائیں کائیں کرنے کے یہی معنے ہیں کہ وہ مارے جارہے ہیں اور اگر کوئی ہستی قریب موجود ہے تو وہ اُن کی مدد کو آئے اور مارنے والے سے انہیں بچائے۔ جب تم کُتّے کو مارنے کے لیے پتھر اٹھاتے ہو تو وہ چائیں چائیں کرنے لگ جاتا ہے۔ آخر چائیں چائیں کرنے کا پتھر اٹھانے یا ڈنڈا مارنے سے کیا تعلق ہے؟ چائیں چائیں کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ وہ آواز بلند کرتا ہے کہ اگر اس کا کوئی ساتھی قریب ہو تو وہ اُس کی مدد کو آئے۔ تم بچے کو مارتے ہو تو وہ رونے لگ جاتا ہے اور روتا بھی آہستہ آواز سے نہیں بلکہ بلند آواز سے روتا ہے۔ اُس کے بلند آواز سے رونے کے بھی یہی معنے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی فریاد لوگوں تک پہنچاتا ہے کہ اگر اُن کے دل میں عدل ہے، انصاف ہے، رحم ہے، تو وہ اُس کی مدد کو آئیں۔ پس کمزور اور مظلوم کا فریاد کرنا ایک طبعی بات ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی شخص کے عیب کو بیان کرنا جائز نہیں۔ سوائے مظلوم کے کہ وہ یہ شور مچائے کہ اُس پر ظلم کیا جارہا ہے[1]۔ پس جانوروں کی شہادت اِس بات پر موجود ہے، بچوں کی شہادت اس بات پر موجود ہے، بڑوں کی شہادت اس بات پر موجود ہے، قرآن کریم کی شہادت اس بات پر موجود ہے۔ پھر اَور کس شہادت کی ضرورت ہے؟

پس ہماری جماعت جو دنیا بھر میں مظلوم ہے، جو اتنی بے بس اور بے کس ہے کہ اتنی بے کس اور بے بس جماعت دنیا میں کوئی نہیں۔ جس کی مثال مسیح کے اس قول سے ملتی ہے کہ پرندوں کے لیے گھونسلے ہیں اور درندوں کے لیے بھٹ ہیں۔ لیکن ابنِ آدم یعنی مسیح کے لیے سر چھپانے کی بھی کوئی جگہ نہیں[2]۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری حالت چڑیوں، فاختاؤں، کبوتروں، کوّوں، بٹیروں اور چھوٹے سے چھوٹے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اُن کے رہنے کے لیے کوئی نہ کوئی جگہ موجود ہے، اُن کا کوئی

ملک ہے۔ جنگل کے درندوں اور میدانوں کے چرندوں کے لیے بھی جگہ موجود ہے کیونکہ دنیا میں ایسی جگہیں موجود ہیں جو انہیں پناہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن تمہارے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں سوائے اِس کے کہ کوئی خدا تعالیٰ کا خوف رکھنے والا بندہ تمہیں پناہ دے۔ آخر خدا تعالیٰ کا خوف رکھنے والے بندے ہر ملک اور ہر قوم میں موجود ہوتے ہیں جن میں خواہ اپنی شہرت کی خاطر، خواہ خدا تعالیٰ کے خوف سے، انصاف اور عدل پیدا ہو جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ جب طائف کے لوگوں کو وعظ کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور طائف والوں نے آپ سے بُرا سلوک کیا، پتھر مارے اور آپ کو شہر سے نکال دیا تو مکہ کی روایات کے مطابق کہ جب تک کوئی شخص کسی شہر میں رہتا تھا وہ شہری حقوق کا حقدار ہوتا تھا لیکن جب وہ اپنی مرضی سے شہر چھوڑ کر چلا جاتا تو وہ شہری حقوق کا اُس وقت تک حقدار نہیں رہتا تھا جب تک کہ شہر میں رہنے والے پھر اُسے شہری حقوق نہ دے دیں۔ اس لیے مکہ والے سمجھتے تھے کہ طائف جانے کے بعد رسول کریم ﷺ مکہ کے شہری حقوق سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ آپ اور آپ کے ساتھی بھی یہ جانتے تھے کہ جب تک نئے سرے سے مکہ کے شہری حقوق آپ کو نہ ملیں آپ کا مکہ میں داخل ہونا آسان نہیں۔ چنانچہ جب آپ طائف سے واپس آئے اور آپ کو اس بات کی امید نہ رہی کہ طائف اور اُس کے گردونواح کے لوگ آپ سے نیک سلوک سے پیش آئیں گے تو آپ نے اپنے ساتھی حضرت زیدؓ سے فرمایا زید! چلو ہم مکہ میں واپس چلتے ہیں۔ زیدؓ نے جواب دیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! کیا مکہ والے آپ کو دوبارہ داخل ہونے دیں گے؟ یعنی وہ تو پہلے سے ہی مخالف ہیں اور پھر جب آپ ایک دفعہ شہر چھوڑ کر آ گئے ہیں تو عرب کے رواج کے مطابق آپ نے مکہ کے شہری حقوق چھوڑ دیئے ہیں۔ اب وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپ نے فرمایا زید! تم وائل کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ اگر تم مجھے پناہ دو تو میں مکہ میں دوبارہ آ جاؤں۔ مکہ کی ریاست کے اندر ہر رئیس کا یہ حق تھا کہ وہ کہے میں فلاں شخص کو شہر میں رہنے کا حق دیتا ہوں۔ اس لیے آپؐ نے زیدؓ کو وائل کے پاس بھیجا کہ اگر تم ہمیں پناہ دینے کے لیے تیار ہو تو ہم شہر میں آ جائیں۔ حضرت زیدؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! وہ تو ہمارا شدید ترین دشمن ہے، وہ ہمیں پناہ کیوں دے گا!! رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم جاؤ۔ وائل بے شک دشمن ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اندر یہ شان اور خوبی بھی پائی جاتی ہے کہ اگر اُس سے کوئی پناہ مانگے تو پناہ نہ دینے میں وہ اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔

وائل اُن چند چوٹی کے دشمنوں میں سے تھا جو آپؐ کی ہمیشہ ہی مخالفت کیا کرتے تھے۔لیکن رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے ماتحت زید اُس کے پاس گئے اور کہا وائل! مجھے رسول کریم ﷺ نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اگر تم مجھے شہری حقوق دینے کے لیے تیار ہو۔جس کے یہ الفاظ مقرر تھے کہ اگر تم مجھے پناہ دو یعنی یہ کہہ دو کہ میں حفاظت کا ذمہ دار ہوں ۔آپ مکہ میں واپس آجائیں تو میں دوبارہ مکہ میں آجاؤں ۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے وائل کی فطرت کو پڑھا۔وائل آپ کا شدید ترین دشمن تھا۔اُس نے گیارہ سال تک آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دکھ دیا تھا۔اُس کے پانچ لڑکے تھے۔اُس نے زیدؓ کی بات سنتے ہی اپنے لڑکوں کو بلایا اور اُن سے کہا تم تلواریں نکال لو۔محمد ﷺ نے مجھ سے پناہ مانگی ہے اور میں خاندانی عزت اور وقار کے لحاظ سے اِس بات پر مجبور ہوں کہ اُسے پناہ دوں۔شاید مکے والے ہمارا مقابلہ کریں اس لیے تمہارا فرض ہے کہ تم ایک ایک کر کے مر جاؤ لیکن محمد (رسول اللہ ﷺ) پر کوئی آنچ نہ آنے دو۔ اور وہ خود بھی اپنے لڑکوں کے ساتھ مکہ کے دروازہ کے پاس گیا اور آپ کو ساتھ لے آیا3۔

اِس قسم کے نظارے اب بھی ملتے ہیں۔پچھلے فسادات میں بھی بعض لوگوں نے بڑی شرافت دکھائی ہے اور حکومت کے بعض ارکان نے بھی اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے لیکن بہر حال وہ انفرادی مثالیں ہیں۔جمہوریت کے نام پر جو آواز اٹھائی گئی تھی وہ تمہارے خلاف تھی۔میں تو اُسے اکثریت کی آواز نہیں کہتا مگر وہ مخالفت سے اکثریت ہی کی آواز کہتے تھے۔حکومت درحقیقت جمہوریت کی ہی ہوتی ہے۔شریفُ الطبع لوگوں کا ہمدردی کرنا ایک جزوی چیز ہے۔قانونی اور اصولی نہیں۔

حق یہی ہے کہ تمہارے لیے اِس زمین پر جس کو دنیا والے اپنی کہتے ہیں کوئی ٹھکانا نہیں۔لیکن ایک اور ہستی بھی ہے جو اِس زمین کی ملکیت کی مدعی ہے۔یہ زمین بغیر نزاع کے کسی کی ملکیت نہیں۔ بلکہ اس کے دو مدعی ہیں۔ایک مدعی حکومت اور جمہوریت ہے۔میں نے حکومت کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض جگہ جمہوریت نہیں ہوتی بلکہ شخصی حکومت ہوتی ہے۔لیکن اس زمین کی ملکیت کا ایک مدعی خدا تعالیٰ بھی ہے۔خدا تعالیٰ بھی کہتا ہے یہ زمین میری ہے اور دنیا بھی کہتی ہے کہ زمین ہماری ہے۔اب پناہ دینے والا مالک ہوتا ہے۔اگر زمین کے مالک انسان ہیں تو یاد رکھو تمہارے لیے اس زمین پر کوئی ٹھکانا نہیں ۔تم آج بھی مرے اور کل بھی مرے۔لیکن اگر زمین کا مالک خدا تعالیٰ ہے اور حقیقتاً اِس کا وہی مالک ہے اور تم اُسے پکارتے ہو اور اُس سے دعائیں کرتے اور مدد مانگتے ہو اور وہ تم کو اِس زمین پر

رہنے کی اجازت دیتا ہے اور تمہیں اس پر رہنے کا حق دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تم عزت اور آبرو کے ساتھ میری زمین پر رہ سکتے ہو تو اگر وہ اس زمین کا مالک ہے تو تم اس زمین پر رہ سکتے ہو۔ اور اگر وہ مالک نہیں تو تم باوجود اُس کی اجازت کے اِس زمین پر نہیں رہ سکتے۔ اب تم خود اپنے یقین کے لحاظ سے فیصلہ کرلو کہ روئے زمین کا مالک خدا تعالیٰ ہے جو عرش پر بیٹھا ہے یا انسان ہیں جو اس کی ملکیت کے دعویدار ہیں۔ اگر اس کے مالک انسان ہیں تو وہ تمہیں ہر وقت گرانے کے لیے تیار ہیں۔ اور اگر اس کا مالک خدا تعالیٰ ہے اور تم اُس سے دعائیں کرتے ہو، التجائیں کرتے ہو تو تم یاد رکھو اِن لوگوں کے دل بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ قومیں ہمیشہ ایک رنگ میں نہیں رہا کرتیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ وائل رسول کریم ﷺ کا کتنا شدید ترین دشمن تھا۔ لیکن جب رسول کریم ﷺ نے اُس سے مدد مانگی تو وہ آپ کی مدد کے لیے تیار ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے اُسے کہا تمہیں مدد دینی پڑے گی۔ چنانچہ جس شخص کی تلوار رسول کریم ﷺ کے مقابلہ میں اٹھتی تھی اُس نے اپنے سارے بیٹوں کو اپنے ساتھ لیا اور کہا۔ تم ایک ایک کر کے مر جاؤ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دو۔ وہی خدا اَب بھی موجود ہے اور وہی دنیا بھی ہے۔ اگر تم اِن دنوں سے فائدہ اٹھاؤ، خدا تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرو اور اُس سے مدد مانگو، تو اس میں یہ طاقت ہے کہ وہی لوگ جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں تمہاری تائید کرنے لگ جائیں، جو لوگ تمہارے مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ تمہاری زندگی کا موجب ہو جائیں، وہی لوگ جو تمہارے دشمن ہیں تمہارے دوست بن جائیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے سب کچھ میرے ہاتھ میں ہے۔ میں دشمن کو دوست بنا سکتا ہوں۔ اور یہ بات بھی سچ ہے کہ وہ دوست کو دشمن بھی بنا سکتا ہے۔

پس تم اِن دنوں سے فائدہ اٹھاؤ اور خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو تا اُس کی مدد اور نصرت سے تمہاری مصیبت کے دن ٹل جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مصیبت کے اِن دنوں کا ٹلنا اصل چیز نہیں۔ اِس سے ہم صرف زندہ رہ سکتے ہیں۔ مگر زندہ تو ہم اُس وقت بھی تھے جب ہم احمدی نہیں تھے، زندہ ہم تب بھی رہ سکتے ہیں اگر ہم اسلام کو چھوڑ دیں اور عیسائی ہو جائیں، زندہ ہم تب بھی رہ سکتے ہیں اگر ہم یہودی ہو جائیں، ہندو ہو جائیں یا سکھ ہو جائیں۔ پس زندگی ہمارا اصل مقصود نہیں۔ ہمارا اصل مقصود یہ ہے کہ وہ تعلیم جو قرآن کریم اِس دنیا میں لایا ہے اُس کے مطابق ہم اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ صرف زندہ رہنے کے لیے ہم کوشش نہ کریں بلکہ کوشش

کریں کہ قرآن کریم کی حکومت جاری ہو۔ ہم سچے مسلمان بن جائیں تا دنیا میں وہی چیز قائم ہو جائے جس کے قائم کرنے کے لیے رسول کریم ﷺ اس دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ اگر ہم باقی لوگوں کے لیے نمونہ بن جائیں تو ہمارا وجود قیمتی ہو جاتا ہے اور ہماری موت خطرناک ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر ہم باقی لوگوں کے لیے نمونہ نہ بن سکیں تو خدا تعالیٰ ہمیں زندہ تو رکھے گا لیکن ہماری مثال اُس کُتے کی سی ہوگی جسے روٹی ڈال دی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ یہ دیکھ کر کہ ہم مظلوم ہیں اگرچہ بیکار ہیں ہمیں بھی بچالے گا۔ کُتا بھی چِلّاتا ہے تو اُسے بچالیا جاتا ہے۔ لیکن ہماری زندگی کسی کام کی نہیں ہوگی۔ پس زندگی اصل چیز نہیں۔ مسلمان ہو کر زندہ رہنا اصل چیز ہے۔ تم صرف زندہ رہنے کی کوشش نہ کرو بلکہ مسلمان بن کر زندہ رہنے کی کوشش کرو۔" (المصلح 30 رمئی 1953ء)

1: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء:149)

2: متی باب 8 آیت 21 (لومڑیوں کے لیے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے لیے گھونسلے....)

3: السیرة الحلبیة جلد اول صفحہ 507 بیروت لبنان 2002ء میں مطعم بن عدی کے حوالہ سے واقعہ درج ہے۔